شیخ الحدیث مولانا عبدالحق

اب ٹھیک طرح یاد نہیں پڑتا قطعیت کے ساتھ تاریخ کون سی تھی، مگر بات یہ جون یا جولائی 65ء کی ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مرحوم، حضرت مولانا امین احسن اصلاحی اور راقم الحروف، حضرت مولانا حکیم عبدالرحیم اشرف کی طرف سے جامعہ تعلیمات اسلامیہ لائل پور کے سالانہ جلسہ میں مدعو تھے۔ یہیں پر ہم چاروں نے طویل غور وخوض کے بعد فیصلہ کیا کہ ایک غیر سیاسی اور خالص دینی تنظیم قائم کی جائے جو عصر جدید کے تقاضوں کے مطابق ملت اسلامیہ میں حیات تازہ پیدا کرنے کیلئے کام کرے۔ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب مرحوم واپس کراچی تشریف لے گئے تو انہوں نے 5 ربیع الثانی 80ھ (بمطابق اگست 65ء) ہم تینوں کو ایک خط لکھا، میرے کاغذات میں یہ مکتوب آج بھی موجود ہے۔ اس میں انہوں نے فرمایا

> امید ہے مزاجِ قرین عافیت ہو گا۔ جس معاملہ کے متعلق لائل پور کی مجلس میں بحث ومذاکرہ ہوا تھا اس پر یہاں مولانا بنوری صاحب کی معیت میں بار بار غور ہوتا رہا۔ اس غور مسلسل کے نتیجے میں ہم دونوں کی یہ رائے ہوئی کہ نظام کار کا خاکہ بنانے اور اس کی ابتدائی تفصیلات متعین کرنے کیلئے وہ بڑا اجتماع مناسب نہیں جس کی فہرست وہاں لکھی گئی تھی بلکہ اس کام کیلئے سردست صرف 7 آدمیوں کا اجتماع ہو جائے جو جماعت کے نظام کار کا ڈھانچا بھی تیار کرے اور جماعت کی تشکیل بھی کر دے۔ یہی جماعت در حقیقت اس کام کی سربراہ ہو نظم ونسق انہی کی رائے سے چلے، مشورہ

اور تعاون دوسرے حضرات کا شامل رہے۔ ان سات حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہوں گے۔

1 - مولانا مفتی زین العابدین صاحب
2 - مولانا عبدالرحیم اشرف
3 - مولانا امین احسن اصلاحی صاحب
4 - مولانا خیر محمد صاحب
5 - مولانا کوثر نیازی
6 - مولانا یوسف بنوری صاحب
7 - (راقم الحروف) محمد شفیع

تجویز یہ ہے کہ 24' 25 اگست 1965ء بروز منگل' بدھ دو یوم یہ سات حضرات جمع ہو کر لائحہ عمل تجویز کریں' پھر دو روز کا وقفہ دے کر 28 اگست 1965ء بروز ہفتہ دوسرے علماء کا وسیع اجتماع ہو جس کی فہرست لائل پور کی مجلس میں لکھی گئی تھی۔ اس میں لائحہ عمل کو پیش کر کے کام کو آگے بڑھانے کی صورتیں نکالی جائیں۔ یہ دونوں اجتماع دارالعلوم کورنگی کراچی میں ہوں گے کہ یہ جگہ پر سکون ہے' شہر میں ہنگامے ہیں۔"

حضرت مفتی صاحب کے ارشاد کے مطابق ہم کراچی پہنچ گئے' ہم سات کی دو روزہ مجالس مشاورت کے بعد 28 اگست کو بڑا اجتماع ہوا۔ جس میں ملک کے طول و عرض سے کل پچیس اکابر علماء نے شرکت کی۔ ان حضرات کی فہرست اس دعوت نامے کے پیچھے موجود ہے جو حضرت مفتی صاحب اور حضرت مولانا بنوری نے سائیکلو اسٹائل کرا کے اپنے دستخطوں سے سب کو ارسال کیا تھا۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کا نام بھی اس فہرست میں شامل تھا۔

جن اکابر کا نام میں نے عرصے سے سن رکھا تھا مگر جن سے شرف نیاز مجھے اب تک حاصل نہ ہو سکا تھا ان میں حضرت شیخ الحدیث بھی شامل تھے۔ میری خوش قسمتی کہ دارالعلوم کے جس کمرے میں میں ٹھہرا ہوا تھا' حضرت شیخ کو بھی اسی کمرے میں ٹھہرایا گیا۔ اس طرح تین چار دن حضرت کی صحبت میں رہنے اور انہیں قریب سے دیکھنے کا ایک ایسا موقع ہاتھ آیا جو بلاشبہ میری زندگی کے یادگار لمحوں میں شامل ہے۔ پاکستان کے بزرگ ترین علماء کے اس اجتماع میں "مجلس دعوت و اصلاح" کے نام سے ایک تنظیم بن گئی۔ یہ بڑے صحیح خطوط پر ایک اہم دینی مشن کا آغاز تھا مگر افسوس کہ بعد میں حضرت مفتی صاحب اور مولانا بنوری صاحب کی تدریسی مصروفیات اور بعض دوسرے اسباب کی بناء پر کام آگے نہ بڑھ سکا مگر جیسا کہ اس مضمون کے سرعنوان سے ظاہر ہے مقصود اس وقت اس مجلس کے قیام کی تفصیلات کا جائزہ لینا نہیں' مقصد تو حضرت شیخ الحدیث اور اپنی اولین ملاقات کا تذکرہ ہے اس اجتماع اور اس کے متعلق حضرت مفتی صاحب

کے مکتوب کونقل کرنے کی غرض توبقول شاعریہ ہے کہ۔

تازہ خواہی داشتن گر داغ ہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں دفتر پارینہ را

دینی تحریکوں پر ریسرچ کرنے والے حضرات "مجلس دعوت واصلاح" کے اغراض ومقاصد شرکاء کی تفصیل اور اس کے اولین اجتماع میں ہونے والی تقاریر کا مطالعہ کریں توانہیں اپنے موضوع پر بعض اہم تفصیلات حاصل ہوسکتی ہیں مگر اس وقت جیسا کہ عرض کیا گیاہمارا مدعائے نگارش کچھ اور ہے۔

میں شیخ الحدیث سے ملاتوان کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوا۔ ان کا اس وقت کا سراپا اور بعض عادات اب تک میری نگاہوں میں ہیں! سرخ وسفید چہرے پر خوبصورت سفید براق ڈاڑھی' ڈیل ڈول متناسب' نہ دبلے نہ موٹے' چترالی چغہ زیب تن' سرپہ دستار' پاؤں میں دیسی جوتا' جسے عرف عام میں "کھوسا" کہتے ہیں' چہرے پر ایسا بھولپن اور معصومیت کہ دیکھنے سے جی نہ بھرے' اتنے بڑے عالم مگر مظاہرہ ء علمیت کے طور طریقوں سے کوسوں دور' خلیق اور متواضع اتنے کہ میں دن اور رات میں جتنی مرتبہ کمرے میں آتا جاتا اور وہ اس سے پہلے وہاں تشریف فرماہوتے تواٹھ کر استقبال کرتے' میں ہر طرح ناچیز اور ہیچ مدان مگر اتنی شفقت فرماتے جیسے میں خادم نہیں مخدوم ہوں۔ ادب شناسِ رسولؐ اتنے کہ جب جب سرکار کا نام نامی لیتے ہربار درود شریف ضرور پڑھتے' کھانا برائے نام کھاتے البتہ چائے بقدر ظرف پیتے' صبح وشام ایک ایک چینک چائے نوشِ جان فرماتے اور اس وقت بڑے اہم علمی اور صوفیانہ نکات کی تراوش ہوتی' عشاء کی نماز پڑھتے ہی سوجاتے اور رات کا پچھلا پہر عبادت میں گزارتے' میں نے ایسے لمحات میں مُصلّے پر ان کی گریہ وزاری بھی سنی ہے۔

دارالعلوم کراچی میں اتنا قرب پیدا ہوگیا جیسے ہم ایک دوسرے کو برسابرس سے جانتے ہیں۔ بس یہاں سے جوان کی نوازشات کی ابتداء ہوئی ہے تواس کا سلسلہ ان کی وفات تک جاری رہا ہے۔

اس سے اگلے ہی سال انہوں نے مجھے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں طلبہ اور مدرسین سے خطاب کرنے کی دعوت دی۔ دارالعلوم کی وسیع وعریض مسجد میں اجتماع ہوا۔ حضرت مولانانے خردنوازی میں اتنا غلو کیا کہ میری تقریر سے پہلے مجھے سپاس نامہ پیش کیا۔ اس موقع پر میں نے جوتقریر کی وہ میری کتاب "اندازِ بیان" میں شامل ہے۔ اس سپاس نامہ سے میرے جذبات میں جوارتعاش پیدا ہوااس کا انعکاس اس تقریر میں صاف دیکھا جاسکتا ہے۔

دارالعلوم حقانیہ کی ابتداء 1947ء میں حضرت نےاپنے گھر سے متصل ایک مسجد سے کی۔ تقسیم سے پہلے آپ دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کرنے کے بعدوہیں پر درس وتدریس کے فرائض انجام دے رہے تھے (تنہا دیوبند کے زمانۂ درس میں ان کے شاگردوں کی تعداد تین ہزار کے لگ بھگ

ہے) پاکستان بننے کے بعد کسی پروپیگنڈا اور پبلسٹی کے بغیر اس چھوٹی سی مسجد میں آپ کے درس کی شہرت آہستہ آہستہ اتنی پھیلی کہ خلقت ٹوٹ پڑی۔ دارالعلوم حقانیہ کا نام اتنا چمکا کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب نے اسے "دیوبند ثانی" کہہ کر پکارا۔ جامعہ الازہر قاہرہ کے وائس چانسلر شیخ محمد طیب النجار اس کے معائنہ کیلئے آئے تو اتنے متاثر ہوئے کہ اسے "الازہر القدیم" کا نام دیا۔ میں نے جامعہ کے نظام، اس میں طلبہ کے قیام و طعام اور اس کا انتظام و انصرام دیکھا تو حضرت شیخ الحدیث کی خدمت دینی کا نقش میرے دل پر بیٹھ گیا۔

1970ء کا الیکشن ہوا تو حضرت ہسپتال میں صاحب فراش تھے۔ آپ کے حلقہ انتخاب کے علمائے کرام اور باشندگان کے وفود نے بالاصرار آپ سے تقاضا کیا کہ آپ الیکشن میں بطور امیدوار کھڑے ہوں مگر آپ کو اس میں سخت تردد تھا، بار بار فرماتے۔

> "مجھے ان ہنگاموں سے بڑی وحشت ہے، انسان تو کیا کسی چیونٹی سے بھی محاذ آرائی مجھے اچھی نہیں لگتی پھر انتخابات کے ہنگامے میں ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل، سب و شتم مبالغہ آمیز دعوے اور وعدے! میں ایسے میدان میں کیسے کود سکتا ہوں۔"

مگر لوگوں کے بار بار اصرار کے بعد بادل نخواستہ آپ کو الیکشن میں حصہ لینا پڑا، نیشنل عوامی پارٹی کی طرف سے جناب اجمل خٹک اور پیپلز پارٹی کی طرف سے جناب نصراللہ خٹک امیدوار تھے۔ دونوں حضرات صوبہ سرحد کی سیاست میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے مگر حضرت مولانا نے انہیں بری طرح شکست دی اور اس طرح آپ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوگئے۔

71ء سے 77ء تک حضرت شیخ الحدیث اور میں ایک ساتھ قومی اسمبلی کے رکن تھے۔ اس زمانے میں بار بار ملاقاتیں بھی ہوئیں اور اجلاس کے دوران ایک ہی موضوع پر دونوں طرف سے اظہار خیال بھی مگر نہ میں نے کبھی ادب کا دامن ہاتھ سے چھوڑا نہ کبھی انہوں نے شفقت اور حوصلہ افزائی سے دریغ کیا۔ کبھی کبھی بحیثیت وزیر میں ان کے سوالات کا بھی جواب دیتا مگر خدا کا شکر ہے اس میں بھی کبھی کوئی سخن گسترانہ بات نہ ہوئی۔ ایک بات سے میں ہمیشہ سخت حیران ہوتا پارلیمینٹ کی کارروائی میں اتنا بھرپور حصہ لینے کا وقت آپ کہاں سے نکال پاتے تھے؟

1973ء کے آئین میں تنہا حضرت کی طرف سے ڈھائی سو ترمیمیں پیش ہوئیں۔ مجھے کوئی قرارداد یا اہم موضوع ایسا یاد نہیں جس پر دینی انداز سے کلام کرنے کی ضرورت ہو اور مولانا نے اس میں ہاؤس کی رہنمائی نہ کی ہو۔

77ء میں الیکشن ہوا تو آپ پھر اسی حلقہ سے کھڑے ہوئے۔ اب کے آپ کے دیرینہ مقابل جناب نصر اللہ خان خٹک صوبہ کے وزیر اعلیٰ تھے' باقی تینوں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بلا مقابلہ منتخب کروا چکے تھے مگر خٹک صاحب کی مشکل یہ تھی کہ انہیں ایک مرد درویش سے پالا پڑا تھا۔ اب کے پھر انہوں نے شکست کھائی' مولانا کو اپنے حلقہ میں جو ہر دل عزیزی حاصل تھی اور دینی لحاظ سے لوگوں کے دلوں میں آپ کا جو مرتبہ اور مقام تھا' خٹک صاحب اسے بیان کرتے تو کہتے "میں کیا کرتا میرے مقابلے میں تو ایک "پیغمبر" کھڑا ہو گیا تھا۔"

ملک میں مارشل لاء لگ گیا تو حضرت سے میرا رابطہ کم ہو گیا مگر پھر بھی میں جب پشاور جاتا (اور سال میں ایک آدھ بار تو کسی نہ کسی تقریب کے حوالے سے اس کی نوبت آ ہی جاتی) میں رستے میں دارالعلوم ضرور رکتا اور آپ کی میزبانی سے لطف اندوز ہوتا آپ ہمیشہ ڈھیروں دعائیں دے کر رخصت کرتے۔

85ء میں مارشل لاء کے زیر سایہ غیر جماعتی الیکشن ہوئے تو آپ پھر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے اسی زمانہ میں سینٹ کا بھی الیکشن پڑا' میں اسلام آباد سے سینٹ کا امیدوار تھا۔ میرا حلقہ انتخاب قومی اسمبلی کے تمام اراکین تھے۔ اس مقصد کیلئے میں نے چاروں صوبوں کا دورہ کیا۔ اکوڑہ خٹک میں جا کر حضرت شیخ الحدیث کے ہاں بھی حاضری دی۔ آپ اس وقت دارالعلوم سے گھر جا چکے تھے آپ کے چھوٹے صاحبزادے مجھے وہیں لے گئے' اب آپ بیمار رہنے لگے تھے اور کہولت اور پیرانہ سالی کی وجہ سے زیادہ چاق چوبند نہیں رہے تھے مگر مجھے دیکھا تو کھِل اُٹھے کھڑے ہو کے گلے لگایا بار بار فرماتے "آپ نے بڑا کرم کیا کہ آئے مگر کیا مجھ سے بھی ووٹ مانگنے کی ضرورت تھی؟" بعد میں جب اسمبلی کا اجلاس ہو رہا تھا اور ہمارے الیکشن کے دن قریب تھے اپنے صاحبزادے حضرت مولانا سمیع الحق سے تاکیداً فرماتے "نیازی صاحب کیلئے دوسرے اراکین قومی اسمبلی سے بھی میری طرف سے بات کروان کی کامیابی میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جانی چاہئے۔"

حضرت شیخ الحدیث 1914ء میں اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد مولانا معروف گل اپنے علاقے کے متموّل اور صاحب ثروت بزرگ تھے۔ انگریز کے خلاف صوبہ سرحد میں حضرت حاجی صاحب ترنگ زئی کی تحریک آزادی ہماری تاریخ کا روشن باب ہے۔ انہوں نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حاجی صاحب اور ان کے رفقائے کار اس علاقے میں آتے تو انہی کے پاس قیام کرتے۔ مولانا عبدالحق صاحب پیدا ہوئے تو انہوں نے بڑے اہتمام سے ان کی تعلیم و تربیت کی۔ 8 سال کی عمر میں مولانا نے علم دین کی راہ میں ضلع کیمبل پور کا سفر کیا پھر پشاور' طورو' مردان اور علاقہ چھچھ کے علمائے کرام کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا بعد میں ہندوستان آئے اور مختلف شہروں میں اکابر علماء سے کسب فیض کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند پہنچے۔ یہاں پانچ سال آپ نے حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع صاحب جیسے بزرگوں سے قرآن وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ واپس گھر آئے اور اپنے درس کا سلسلہ شروع کر دیا مگر جلد ہی دارالعلوم دیوبند سے آپ کو تدریسی خدمات انجام دینے کیلئے بلاوا آگیا چنانچہ آپ دیوبند میں کئی سال تک مسندِ تدریس پر فائز رہے۔

قیام پاکستان کے بعد دارالعلوم حقانیہ کے قیام کا ذکر اوپر کی سطور میں پہلے ہی ہو چکا ہے اور ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ تنہا دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ تدریس میں آپ سے تین ہزار علمائے کرام نے فیض حاصل کیا۔ دارالعلوم حقانیہ میں آپ کی جوتیاں سیدھی کرنے والے علماء کی تعداد ساڑھے تین ہزار ہے تو کل ساڑھے چھ ہزار علمائے کرام آج اقصائے عالم میں حضرت شیخ الحدیث کے صدقہ جاریہ کی بدولت خدمتِ دین میں مصروف ہیں۔ افغانستان کے جہاد آزادی میں شریک اکثر علماء بھی آپ کے شاگرد ہیں۔

حضرت کا انتقال ہوا تو میں ملک سے باہر تھا آپ کے جنازے میں شریک نہ ہو سکا، واپسی پر دارالعلوم فون کیا تو معلوم ہوا آپ کے جانشین اور خلف الرشید سینیٹر مولانا سمیع الحق اسلام آباد آئے ہوئے ہیں۔ میں علامہ سعید الرشید عباسی کے ہمراہ اکوڑہ خٹک جانے کیلئے پا بر کاب تھا۔ مولانا سمیع الحق سے اسلام آباد میں ان کی قیام گاہ پر جا کر ملا تو دل نہیں مانا کہ بس یہیں خاتمہ کہہ دوں وہ کچھ وقت بعد اکوڑہ جانے والے تھے میں نے عرض کیا "آپ چلیں میں حاضر ہوتا ہوں" فرمایا "پھر دوپہر کا کھانا میرے ساتھ کھاؤ گے۔" پہنچا تو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا اجلاس ابھی ابھی ختم ہوا تھا ہر طرف چہل پہل تھی، ماشاء اللہ حضرت شیخ الحدیث جو یادگار چھوڑ گئے ہیں وہ مولانا سمیع الحق جیسے فاضل اور مجاہد عالم کے ہاتھوں میں پورے طرح محفوظ ہے۔ مولانا میرے ساتھ سینٹ میں تھے میں ان کے جذبہ ءحمیتِ دینی سے آگاہ ہوں اور ان کی شخصیت کی تب و تاب کے جملہ گوشے بھی میری نگاہ میں ہیں۔ وہ انشاء اللہ حضرت کی اس میراث علمی کو مزید چار چاند لگائیں گے۔

دارالعلوم میں دسترخوان بچھا تو حضرت شیخ الحدیث کے سفرِ آخرت کی ایک ایک تفصیل میں نے کرید کرید کر پوچھی ایسے لوگ تو زمین کا نمک ہیں نہ جانے کیوں یہ زمین کے نیچے چلے جاتے ہیں شاید اس لئے کہ۔

اندر بھی زمیں کے روشنی ہو
مٹی میں چراغ رکھ دیا ہے!